© rasailojaraid.com

آرا وافکار

محمد عمار خان ناصر

خاطرات

رؤیت ہلال کا مسئلہ اور ہمارے قومی رویے

عید کے موقع پر چاند کی رؤیت کے حوالے سے اہل علم کے مابین بعض فقہی اختلافات عالم اسلام کے کم وبیش تمام حصوں میں موجود ہیں، مثلاً یہ کہ کیا چاند کی رؤیت کا فیصلہ فلکیاتی حسابات کی بنیاد پر بھی کیا جا سکتا ہے یا اس کے لیے چاند کو آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے؟ اسی طرح یہ کہ کیا ایک علاقے میں چاند کے دیکھے جانے پر دوسرے علاقوں کے لوگ، جہاں چاند نظر نہیں آیا، رمضان یا عید کا فیصلہ کر سکتے ہیں یا ہر علاقے کے لوگوں کے لیے ان کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہے؟ وغیرہ۔ تاہم ہمارے ہاں چاند کے دیکھے جانے کا فیصلہ کرنے کے لیے علماء کی سربراہی میں رؤیت ہلال کمیٹیوں کی صورت میں جو نظام بنایا گیا ہے، اس نے اس اختلاف کو مستقل طور پر ایک ایسی نزاع کی شکل دے دی ہے جو فقہی سے زیادہ سیاسی، مسلکی اور صوبائی تعصّبات کے اظہار کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

حالیہ عید کے موقع پر بھی یہی ہوا۔ ۱۸؍ اگست کو وزیرستان میں وہاں کے مقامی علما نے بعض ''گواہیوں'' کی بنیاد پر عید منانے کا فیصلہ کیا تو ایک مضحکہ خیز فیصلہ ہونے کی وجہ سے بدیہی طور پر اسے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی، لیکن خیبر پختون خواہ کی صوبائی رؤیت ہلال کمیٹی نے اپنی سابقہ روایت کے مطابق مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے کے برعکس ۱۹؍ اگست کو عید کا اعلان کر دیا تو حسب سابق مخصوص مسلکی اور علاقائی تعصّبات متحرک ہو گئے اور بہت سی ذمہ دار شخصیات کی طرف سے یہ بیانات سامنے آنا شروع ہو گئے کہ چونکہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی نے خیبر پختون خواہ کی کمیٹی کو موصول ہونے والی شہادتوں کو نظر انداز کر کے چاند نظر نہ آنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے یہ جانب دارانہ فیصلہ ہے اور یہ کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو از سر نو تشکیل دینا چاہیے۔

جہاں تک شہادتوں کو نظر انداز کرنے کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک یہ اعتراض علمی واصولی طور پر زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ ماہرین فلکیات کے حسابات کے مطابق ۱۸؍ اگست کی شام کو چاند کی مدتِ پیدائش اس سے کم ہونے کی وجہ سے جو چاند کے دکھائی دینے کے لیے ضروری ہے، پورے جنوبی ایشیا میں کہیں بھی چاند دکھائی دینے کا امکان نہیں تھا۔ علما کا عمومی موقف یہ ہے کہ محض ماہرین فلکیات کے حسابات پر مدار رکھتے ہوئے چاند کی رؤیت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم علما، ماہرین فلکیات کی رائے کو اس حد تک پورا وزن دیتے ہیں کہ اگر فلکیاتی حسابات کی رو سے کسی مخصوص تاریخ کو کسی مخصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاقے میں چاند کے دکھائی دینے کا امکان نہ ہو تو اس علاقے میں چاند کے دیکھے جانے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اس حوالے سے مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی میں ہونے والے مباحثات کی جو روداد اپنے ایک حالیہ مضمون میں بیان کی ہے، اس کے مطابق اس وقت عالم اسلام کے ممتاز ترین علما وفقہا کی اکثریت اسی کی قائل ہے، جبکہ فلکیاتی حسابات کی رو سے چاند کی رؤیت ممکن نہ ہونے کے باوجود محض گواہیوں کی بنیاد پر چاند کے دیکھے جانے کا فیصلہ کرنے کی رائے ایک ''شاذ'' رائے کا درجہ رکھتی ہے۔ اس تناظر میں اگر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی نے ۱۸ راگست کی شام کو چاند کے دکھائی نہ دینے کا اعلان کیا تو یہ فقہی اصولوں کا عین تقاضا تھا، بلکہ ہمارے خیال میں تو اس صورت میں ۱۸ راگست کو چاند دیکھنے کا تکلف کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ماہرین فلکیات کی مذکورہ پیش گوئی یوں درست ثابت ہوئی کہ خیبر پختون خواہ کے علاوہ پورے جنوبی ایشیا میں اس تاریخ کو کہیں چاند دکھائی نہیں دیا اور ہر جگہ ۲۰ راگست کو ہی عید منائی گئی۔ اس لحاظ سے علمی وفقہی اعتراضات کا ہدف دراصل خیبر پختون خواہ کی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے کو بننا چاہیے تھا کہ جب ۱۸ راگست کو چاند کا دیکھا جانا ممکن ہی نہیں تھا تو وہ آخر کیسے نظر آ گیا، لیکن یہ مسلکی وصوبائی تعصّبات کا کمال ہے کہ اعتراض کا ہدف الٹا مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے کو بنا لیا گیا اور یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ جیسے ساری خرابیوں کا منبع کمیٹی کا موجودہ ڈھانچہ اور خاص طور پر اس کے سربراہ مولانا مفتی منیب الرحمٰن کی ذات ہے۔

اجتماعیت اور قومی وحدت کسی بھی قوم کے لیے اللہ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے اور عزت وسرفرازی کی علامت بھی، لیکن اس نعمت کا حق دار وہی قوم ہوتی ہے جس کے ذمہ دار طبقات اپنے اندر کچھ مخصوص رویوں اور اخلاقیات کو پیدا کر لیں۔ ان میں سب سے بنیادی اخلاقی اصول یہ ہے کہ اختلاف رائے کے مواقع پر اختلاف کے اظہار کے باوجود عملاً وحدت اور اجتماعیت کو قائم رکھا جائے اور کوئی گروہ اپنی رائے کے تسلیم نہ کیے جانے کو بہانہ بنا کر کوئی الگ راستہ اختیار نہ کرے کہ یہی چیز تفرقہ اور انتشار کے پیدا ہونے کی بنیاد بن جاتی ہے۔ صحابہ وتابعین کے ہاں ہمیں اس کی بڑی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد خلافت میں حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے خلفاء کے معمول کے برعکس منیٰ میں ظہر اور عصر کی چار رکعتیں ادا کرنا شروع کر دیں تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان پر سخت تنقید کی اور کہا کہ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی دو دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔ پھر تم لوگوں کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں چار رکعتوں کی جگہ دو رکعتیں ادا کروں جو (اللہ کے ہاں) قبول ہو جائیں۔'' اس کے باوجود جب نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے سب لوگوں کے ساتھ سیدنا عثمان کے پیچھے منیٰ میں چار رکعتیں ہی ادا کیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ افتراق پیدا کرنا شر کی بات ہے۔ (سنن ابی داود، حدیث نمبر ۱۹۶۰) جلیل القدر تابعی امام شعبی سے منقول ہے کہ انھوں نے اس دن کے متعلق جس کے بارے میں لوگ کہتے ہوں کہ یہ رمضان کا پہلا دن ہے (لیکن ارباب حل وعقد کی طرف سے اس کا اعلان نہ کیا گیا ہو)، کہا کہ تم حکمران کے فیصلے سے ہٹ کر ہرگز روزہ نہ رکھنا، کیونکہ (مسلمانوں میں) تفریق کی ابتدا اسی جیسے معاملات سے ہوئی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۹۵۹۸)

ہمارے ہاں رؤیت ہلال کے حوالے سے اس اجتماعی اصول کی پامالی نے ایک مستقل اور طے شدہ پالیسی کی شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کر لی ہے جس کا مظاہرہ کم وبیش ہر عید کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ فرض کر لیجیے کہ مرکزی کمیٹی کسی موقع پر چاند کے حوالے سے غلط فیصلہ کر لیتی ہے۔ اس کے باوجود دین کی تعلیمات کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے فیصلے کی پابندی کی جائے اور ایک اجتماعی معاملے میں اس نوعیت کے اختلاف کو افتراق پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ ویسے بھی اصولی طور پر چاند کے دکھائی دینے یا نہ دینے کے فیصلے کا اختیار مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے پاس ہے اور صوبائی کمیٹیاں اس کی معاونت کے علاوہ چاند کی رؤیت کا اعلان کرنے کا کوئی مستقل اختیار نہیں رکھتیں۔ اس لحاظ سے کسی بھی صوبے کی رؤیت ہلال کمیٹی کی طرف سے ایسا کوئی فیصلہ کیا جانا اجتماعیت کے مذکورہ اصول کی پامالی کے علاوہ اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز کی بھی ایک افسوس ناک مثال ہے۔

اجتماعیت کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قومی منصب پر فائز کر دیا جائے اور اسے اس منصب سے متعلق ذمہ داریوں کے دائرے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو شخصی ناپسندیدگی، طبقاتی پس منظر، ذاتی جھگڑوں یا فکری ونظریاتی اختلافات کی وجہ سے اس کے فیصلوں کو قبول کرنے سے گریز کی راہیں تلاش نہ کی جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجتماعیت کے اس اصول کی تعلیم ان الفاظ میں دی تھی کہ اگر تم پر کسی نک کٹے حبشی غلام کو بھی، جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح چھوٹا سا اور سکڑا ہوا ہو، امیر مقرر کر دیا جائے تو تم اس کی بات سننا اور سر تسلیم خم کر دینا۔ ہمارے ہاں اس اصول کی خلاف ورزی بھی ایک اجتماعی 'شعار' کا درجہ رکھتی ہے۔ سیاسی ومسلکی تعصّبات کی موجودہ صورت حال میں رؤیت ہلال کمیٹی کی سربراہی اور اس طرح کے دیگر سرکاری عہدوں نے مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین ایک مستقل استخوان نزاع کی شکل اختیار کر لی ہے اور کسی ایک مسلک سے تعلق رکھنے والی شخصیت ایسے کسی عہدے پر رونق افروز ہوتی ہے تو دوسرے مسالک کے لوگوں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی اور ان کی طرف سے کسی نہ کسی حوالے سے نکتہ چینی اور تنقید کا مشغلہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بین المسالک تعلقات میں تناؤ بھی بڑھتا ہے اور علما کا عمومی وقار بھی معاشرے کی نظروں میں مجروح ہوتا ہے۔

مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا قیام سنجیدہ دینی حلقوں کے تقاضے پر عمل میں لایا گیا تھا جس کا مقصد ملک بھر میں رؤیت ہلال کے علاقائی پرائیویٹ حلقوں کے نظام سے پیدا شدہ ملک گیر خلفشار کو ختم کرنا اور مرکزیت پیدا کرنا تھا، کیونکہ اس سے قبل ملک کے کم وبیش ہر بڑے شہر میں یہی صورت حال ہوتی تھی جو اب خیبر پختون خواہ کے بعض علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ جو نظام خود دینی حلقوں کے تقاضے پر اور ان کی کوششوں سے ملک میں وحدت اور اجتماعیت پیدا کرنے کے لیے بنایا گیا تھا، دینی حلقوں ہی کے غیر متوازن رویوں کی وجہ سے اس کی افادیت پر سوالیہ نشان کھڑا ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک اس صورت حال سے یہ بنیادی حقیقت بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ہمارے ہاں قومی سطح پر پائے جانے والے ہمہ گیر بگاڑ کی اصلاح درحقیقت مختلف قسم کے ''قومی فورم'' یا ''اجتماعی ادارے'' بنانے سے نہیں، بلکہ اخلاقی اصولوں کی پاس داری کے حوالے سے قوم کی تربیت کرنے سے ہی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ فکر اور مزاج کی درست تربیت کے بغیر اس نوعیت کی ہر کوشش اسی انجام سے دوچار ہوگی جو مثال کے طور پر ہم مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے حوالے سے اس وقت دیکھ رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com